رستی ہے وہ سرچیون ہے جس سے خوش حالی آزادی اور ترقی کی ہریں نکلتی ہیں اور پورے ملک کو ہرا بھرا رکھتی ہیں، اگر سوسائٹی میں اخلاق کی گراوٹ و بے اصولی اور خود غرضی، خوشامد طاقت و دولت سے مرعوبیت بزدلی اور ظلم کا چلن عام ہو جائے اور دماغی اور اخلاقی حیثیت سے وہ سوسائٹی دیوالیہ ہو جائے تو یوں سمجھئے کہ زندگی کا سوتا خشک ہو گیا اور قومی زندگی کے درخت کو گھن لگ گیا، حکومتوں کا الٹ پھیر طاقت کی بہتات، ملک کی پیداوار، تعلیم کی ترقی اور ظاہری دھوم دھام کوئی چیز اس قوم کو تباہی سے نہیں بچا سکتی، جب کسی درخت کی جڑیں اور رگیں سوکھ جائیں اور وہ اندر سے کھوکھلا ہو جائے تو اوپر سے پانی ڈالنے سے کام نہیں چلتا۔

دنیا کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، روم کی سلطنت کا دنیا میں ڈنکا بجتا تھا، کم کسی قوم نے ایسے اچھے منتظم قانونی دماغ اور اعلیٰ فوجی افسر پیدا کئے ہوں گے جیسے رومی قوم نے، لیکن جب رومی سوسائٹی کو بداخلاقی اور عیش پرستی کا روگ لگ گیا، اور اس کے جسم میں ظلم، ناانصافی اور ناجائز طرف داری کا زہر دوڑ گیا تو اس کی قسمت کا ستارہ گردش میں آیا اور اس کو اندر اور باہر کے دشمنوں نے دبوچ لیا، وہ روم جس کی تمام دنیا میں دھاک

بیٹھی ہوئی تھی یورپ کی نیم وحشی قوموں کے حملوں سے اپنی زندگی
تنگ تھا، نہ راتوں کو میٹھی نیند نصیب تھی نہ دن کو چین، پھر چھٹی صد
عیسوی میں ایرانیوں نے اس کے مشرقی حصہ پر حملہ کرکے اس کی عزت
خاک میں ملادی، نوے ہزار آدمیوں کو قتل کیا اس کی تمام نوآبادیوں
اور ملکوں پر قبضہ کرلیا اور اس کے پایۂ تخت قسطنطنیہ کو گھیر لیا، پھر اس
چند برس بعد ہی جب رومیوں کو بہ مشکل سنبھلنا نصیب ہوا تھا عرب
کی مٹھی بھر بے حقیقت فوجوں نے دھاوا بول دیا، روم کی سوسائٹی
اخلاقی حیثیت سے اتنی کمزور اور کھوکھلی ہو گئی تھی کہ ہرقل
جیسا لائق جنرل اور دلیر بادشاہ جس نے اپنی تنظیمی قابلیت اور فوجی لیاقت
سے ایرانی فوجوں کو اپنے ملک سے نکال کر ایران کے قلب میں اپنا روم
جھنڈا گاڑ دیا تھا اور ایرانی حکومت کو الٹ پلٹ کرکے رکھ دیا تھا، ا
گرتی ہوئی رومی سوسائٹی کو تھام نہ سکا اور عربوں کو جن میں دین کا جو
شہادت کا شوق اور اخلاق کی طاقت تھی اپنا ملک حوالہ کر دینا پڑا۔
یہی ایران میں ہوا جہاں دن رات ہن برستا تھا جہاں کی دولت
اور فوجی طاقت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا لیکن برسوں سے بداخلاقی اور بے
اصولی کا کیڑا لگ چکا تھا جو اندر سے اس برگد کو کھا رہا تھا، نتیجہ یہ ہو
کہ یزدگرد جیسا مستقل مزاج بادشاہ اور رستم جیسا تجربہ کار فوجی جنرل بھی

اس ملک کو بچا نہ سکا اور عربوں نے دونوں مشرقی اور مغربی شہنشاہیت کو اپنے انتظام میں لے لیا۔

بغداد کی عباسی خلافت کا دنیا میں طوطی بولتا تھا، خوارزم شاہ کی سلطنت اپنے زمانہ میں روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت تھی، لیکن مسلمانوں کی سوسائٹی روح سے خالی اور اخلاقی کمزوریوں سے داغدار ہو چکی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاریوں کا سیلاب کسی کے روکے نہ رکا سیکڑوں برس کا تمدن اور علم و تہذیب کا ذخیرہ ان نیم وحشی حملہ آوروں کے ہاتھوں خاک میں مل گیا۔ اس وقت اگر اسلام نے تاتاریوں پر اخلاقی فتح نہ حاصل کر لی ہوتی اور ان کے دل کو نہ بدل دیا ہوتا تو مسلمان سوسائٹی اپنی عمر پوری کر چکی ہوتی۔

دور کیوں جائیے پہلی اور دوسری لڑائی میں فرانس کو اپنی اخلاقی کمزوریوں، تعیش پسندی کی وجہ سے سخت زک اٹھانی پڑی، اگر اتحادی اس کو سہارا نہ دیتے تو یہ قوم جس نے اپنی ذہانت اور بہادری کا کبھی سکہ بٹھا دیا تھا اور نپولین جیسا جنرل اور انقلاب کے زمانہ کے دلیر اور نڈر لیڈر پیدا کئے تھے چل ہی بسی تھی، اسی طرح مسولینی کی قابلیت اور نازیوں کی امداد اٹلی کی کھوکھلی سوسائٹی اور ہول سے پھولے ہوئے جسم کو مقابلہ میں نہ جما سکی،

ہماری ہندوستانی سوسائٹی پُرانے زمانہ میں اپنے فلسفہ و حکمت اور ادب و شاعری میں نیز اخلاقی جرأت، سچائی، ایمان داری اور بے لاگ پن میں کہاوت کی طرح مشہور تھی، یہاں کی اخلاقی کہانیاں اور اخلاق کے اعلیٰ اصول سوغات کی طرح دیس دیس جاتے تھے، پانچویں صدی میں ایران نے جو علم و تہذیب کا مرکز تھا ایک بہت بڑا عالم بھیجا تاکہ وہ یہاں کی اخلاقی تعلیم اور اخلاقی کہانیوں کا پہلوی زبان میں ترجمہ کرے، عربوں نے بھی اپنے دور میں ان کہانیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا، آج بھی اس کا ترجمہ "کلیلہ و دمنة" ایک سدا بہار کتاب ہے، چینیوں نے اپنی دانائی اور ملنے ہوئے علم کے باوجود اس ملک کے علم و حکمت کے خزانوں سے برابر فائدہ اُٹھایا اور اپنے بڑے بڑے فلسفیوں اور مذہبی عالموں کو بھیج بھیج کر اس ملک کی استادی اور بڑائی کا اقرار کیا، آج بھی اس کی پراچین کہانیوں اور گیتا اور رامائن میں بڑی بڑی سچی اور گہری باتیں ہیں۔

دسویں صدی میں ہندوستانی سوسائٹی بہت گر چکی تھی، خود غرضی اور ذاتی عداوتوں کا سارے ملک میں جال پھیلا ہوا تھا، روحانیت اور خدا پرستی بہت کم رہ گئی تھی، دولت (لکشمی) نے معبود کی صورت اختیار کر لی تھی، لٹریچر، مذہب، سنگیت، مصوری، نقاشی اور

عبادت گاہوں تک میں شہوانیت اور عریانی سرایت کر گئی تھی، سوسائٹی میں بلا کی اونچ نیچ تھی، شریف و رذیل میں انسان اور جانور سے زیادہ فرق تھا، اخلاقی طاقت بہت کمزور ہو چکی تھی، ایسی حالت میں وسط ایشیا سے ایک تازہ دم قوم آئی جس میں اخلاقی طاقت زیادہ تھی یہ مسلمان تھے جنھوں نے اس ملک کا انتظام سنبھال لیا، انھوں نے ہندوستانی سوسائٹی کو ترقی دی اور صدر کانگریس ڈاکٹر پٹا بھی کے الفاظ میں "یہاں کے کلچر کی دولت میں اضافہ کیا اور اس ملک کی سماجی زندگی اور ادب کو گہرے طور پر متاثر کیا"[۱] انھوں نے اس کی رگوں میں تازہ خون پہونچایا، مساوات، انسان دوستی، روحانی و مادی توازن و اعتدال کا پیغام دیا، خالص توحید اور نبوت و رسالت کے مفہوم سے آشنا کیا، انھوں نے یہاں کی تاریخ اور ادب میں سچائی اور دیانتداری اخلاقی بہادری اور زہد و پاکیزگی کے بعض بڑے دلکش نمونے شامل کیے اور بعض ایسے خدا سے ڈرنے والے، پاک و صاف زندگی گزارنے والے بادشاہ، حق کہنے والے اور نیک مشورہ دینے والے وزیر، موت سے نہ ڈرنے والے بادشاہ کو ٹوک دینے والے، دنیا کی لالچ سے آزاد درویش اور عالم پیدا کیے جن کی زندگی اس ملک کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

---

[۱] خطبۂ صدارت اجلاس جے پور ۱۹۴۸ء۔

دوسرے ملک کی تاریخیں آسانی سے ایسے بلند اخلاقی نمونے پیش نہیں کر سکتیں، انھوں نے کئی مرتبہ اس ملک کی گرتی ہوئی اخلاقی طاقت کو اُبھارا اور سماج کے بیمار جسم میں طاقت و صحت پہونچائی اور ملک کو عام اخلاقی زوال سے بچا لیا۔

لیکن رفتہ رفتہ ہندوستانی سماج مختلف قسم کی اخلاقی اور رُوحانی بیماریوں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ بے اصولی عیش پسندی، خود غرضی، جعل سازی پیدا ہوگئی، مسلمان جو کبھی ہندوستانی سماج سنبھالنے والے تھے اب اخلاقی اور سماجی خرابیوں کے شکار بلکہ اصل ذمہ دار تھے، خانہ جنگی، ناجائز طرف داری، بے جا پاس داری، بے وفائی، وعدہ خلافی کا دور دورہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کا انتظام درہم برہم ہوگیا، شہروں میں اطمینان اور راستوں میں امن نہیں رہا، ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک افراتفری مچی تھی، اللہ کا کسی سے رشتہ نہیں وہ اپنی زمین کی تباہی اور اپنے بندوں کی بربادی دیکھ نہیں سکتا، یہاں اس ملک میں کسی میں حکومت کی لیاقت نہیں تھی، اُس نے سات سمندر پار کی ایک قوم کو بھیج دیا جس میں ملکی انتظام کی قابلیت تھی اور زندگی کا سلیقہ تھا حقیقی اخلاق کا تو اس میں پتہ نہ تھا مگر زندگی کے کچھ ایسے اصول رکھتی تھی جن کی بنیاد پر وہ کچھ مدت تک کسی ملک کا انتظام کر سکتی تھی اور نئی

نئی حکومت چلا سکتی تھی، اس نے سڑکیں بنائیں، ڈاک خانے، تارگھر، شفا خانے جگہ جگہ قائم کیے، ریلیں دوڑائیں، پولیس کا اچھا انتظام کیا، دفتری نظم و نسق قائم کیا، لیکن ہندوستانی سوسائٹی کو سخت نقصان پہونچایا، اس کے رہے سہے اچھے اوصاف اور ہندوستانی و مشرقی کیرکٹر کی خوبیاں مٹائیں اور نئی خرابیاں پیدا کر دیں جو ایک ایسی حکومت کا لازمی نتیجہ ہیں جس کو رومی سلطنت سے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کا زریں اصول ترکہ میں ملا تھا، قومی رقابت، دفتری کاٹ پھانس، اپنے ذرا سے فائدہ کے لئے دوسروں کو بڑے سے بڑا نقصان پہونچا دینا، اندرونی سازشیں، مذہب و اخلاق سے بے پرواہ ہو کر اپنے لئے یا اپنے فرقہ کے لئے، یا اپنی برادری، عزیزوں، دوستوں کے لئے ناجائز کو جائز کر لینا یہ وہ سبق تھا جو ہندوستانی اہلکاروں اور ملازمت پیشہ لوگوں نے انگریزی حکومت کے دور میں خاص طور پر سیکھا، انگریزوں کی سو برس کی حکومت میں ہندوستانیوں نے جس فن کی سب سے زیادہ مشق کی وہ کسی مقصد یا فائدہ کے لئے دفتری دستاویزی ذہانت کو استعمال کرنا اور مہینوں اور برسوں میں آہستہ آہستہ قوانین و اصطلاحات کے ذریعہ اپنے مقصد کو پورا کرنا تھا، رقابت اور دشمنی کی یہ دھیمی آنچ جو دفتروں اور تعلیم گاہوں میں اپنا کام کرتی رہی،

اس نے ہندو مسلمان افسر و ماتحت کے دلوں میں نفرت و عداوت کا وہ بیج بو دیا جس نے بالآخر ایک کا دوسرے کے ساتھ رہنا مشکل کر دیا، یہی تربیت و ذہنیت ان واقعات کی تنہا ذمہ دار ہے جو اس بدقسمت ملک میں پچھلے دنوں پیش آرہے، اس میں نہ کلچر کے کسی اختلاف کو دخل تھا، نہ زبان کی دوئی کو، نہ رسم و رواج کے فرق کو، جو لوگ کلچر یا تہذیب کے اختلاف کو اس عداوت اور خانہ جنگی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں وہ واقعات سے چشم پوشی کرتے ہیں اور صریح غلط بیانی سے کام لیتے ہیں، زبان و ادب، تہذیب و معاشرت کا فرق اس ملک میں ہمیشہ رہا لیکن انگریزی حکومت اور اس کی تعلیم کا ہونا اور دفاتر سے پہلے وہ عداوت و رقابت کبھی نہیں پیدا ہوئی جو ناسورین کر ۴۷ء میں پھوٹ پڑی۔

بیسویں صدی کے شروع میں بدیشی راج کے نقصانات اور تکلیفیں پوری طرح لوگوں پر کھل گئیں۔ مگر جسمانی تکالیف کا احساس زیادہ تھا اور اخلاقی نقصانات کا احساس کم، ہندو مسلمانوں کے میل سے آزادی کی تحریک شروع ہوئی، اس وقت اس ملک کی اخلاقی اور سماجی حالت بہت گر چکی تھی اصول اور اخلاقی معیار بھول چکے تھے، ذاتی اغراض اور فوائد

دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے، انگریزی سیاست اور تعلیم کا کیڑا اس ہرے بھرے درخت کو اندر سے چاٹ چکا تھا، انسانیت اور شہریت کا احساس جس پر تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے بہت کمزور پڑ چکا تھا، چاہیئے یہ تھا کہ اس ملک کی اخلاقی حالت کو اونچا کرنے اور عوام میں آدمیت اور شہریت کا احساس پیدا کرنے کی جان توڑ کوشش کی جاتی، محلہ محلہ گاؤں گاؤں شہر شہر اس کے لئے کمیٹیاں، پنچائتیں، مدرسے اور حلقے قائم کئے جاتے، گھر گھر اس کے وعظ اور اپدیش دیے جاتے، لاکھوں کتابیں اور رسالے شائع کئے جاتے، اور پڑھ کر سنائے جاتے، غرض آزادی کا احساس پیدا کرنے کے لئے جو کوشش کی گئی اس کی دس گنا کوشش اخلاقی احساس اور آدمیت پیدا کرنے کے لئے کرنی چاہیئے تھی۔

لیکن انگریزوں کی موجودگی اور ان کی سازشوں کے علاوہ نیز اس مغربی سیاست نے جو سیاسی جنگ میں اخلاق اور آدمیت کی بنیادوں کو ہمیشہ نظر انداز کرتی رہی ہے، ہمارے سیاسی رہناؤں کو اس کی فرصت ہی نہیں دی کہ وہ اخلاق اور سماجی سدھار کے بنیادی مسئلہ کی طرف پوری توجہ کر سکیں، اس میں شک نہیں کہ ہمارے سیاسی رہنما خود اونچے اخلاق کے لوگ تھے، لیکن

گاندھی جی کے سوا کم لوگوں کو اخلاقی مسئلہ کی اہمیت کا احساس تھا، سیاسی مصروفیتوں اور فوری مسائل نے گاندھی جی کو بھی اس بات کا پورا موقع نہیں دیا کہ وہ ملک کی آزادی سے پہلے سوسائٹی کی تعمیر کریں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ سوسائٹی کی تعمیر تو پیغمبروں ہی کے اصولوں پر ہوتی ہے، وہ اپنی ساری توجہ اور خدا کی دی ہوئی طاقتیں اسی کام پر لگا دیتے ہیں اور ان کی نظر کبھی اس مقصد سے نہیں چوکتی، وہ مسائل کو گڈمڈ نہیں کرتے، وہ سوسائٹی سے اَن ہونی اُمیدیں قائم نہیں کرتے وہ اس پر وہ بوجھ نہیں ڈالتے جو اس سے اُٹھایا نہ جائے، وہ پہلے ایمان اور عقیدہ پیدا کرتے ہیں، اس کے اخلاق اور عمل کو سدھارتے ہیں، اس میں کیرکٹر پیدا کرتے ہیں، اپنی خواہشات اور فائدوں کے خلاف کام کرنے کی طاقت پیدا کرتے ہیں۔ پھر جس طرح پھل دار اور بے روگ درخت سے پھل پیدا ہوتے ہیں، جس طرح آگ کے ساتھ گرمی اور سورج کے ساتھ روشنی ضروری ہے، اسی طرح صحیح کیرکٹر اور صحیح تربیت سے آزادی، حکومت کی صلاحیت، قربانی و خدمت کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے، انسانی فطرت کا ہمیشہ سے یہی

راستہ ہے اور ہمیشہ یہی راستہ رہے گا۔

سنہ ۱۹۴۷ء میں جب اس ملک کو آزادی ملی تو تربیت کی کمی ذاتی یا قومی خود غرضی اور جہالت اور آدمیت کے احترام کے فقدان نے اس ملک کے لوگوں میں وہ دیوانگی پیدا کر دی کہ انسان انسانوں کے حق میں درندے اور سانپ اور بچھو بن گئے اور انھوں نے ایسے وحشیانہ کام کئے کہ آدم خور وحشی سر جھکالیں اور کانوں پر ہاتھ رکھیں۔ بےکس عورتوں کی بے آبروئی کی گئی شیر خوار بچوں کو سنگینوں اور بھالوں سے قتل کیا گیا، چلتی ہوئی ریل سے مسافروں کو پھینکا گیا، کنوؤں میں زہر ملایا گیا، جلتی چتا میں جیتے جاگتے آدمیوں کو بٹھا کر جلا دیا گیا، ایک ایسا ملک جس کی اخلاقی سطح اتنی پست اور اس دیس کے بہت سے رہنے والے آدمیت اور تہذیب سے اتنے کورے ہوں کیا اس ملک میں اخلاقی اصلاح اور سماجی سدھار سے بڑھ کر کوئی مسئلہ اہمیت رکھتا ہے؟

پھر جب اس ملک کے دونوں حصوں کو حکومت مل گئی تو کچی سیرت ناقص تربیت اور انگریزوں کے ڈھلے ہوئے اخلاق نے یہاں کیسے گل کھلایا، رشوت ستانی اور معاشی لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری ہوئی کنٹرول نہیں تھا تو قیمتیں اتنی چڑھ گئیں کہ

غریب کی زندگی مشکل ہو گئی، کنٹرول قائم ہوا تو چور بازاری اور ناجائز نفع خوری نے سر نکالا، ایک طرف افراطِ زر نے ملک کے مالی توازن کو درہم برہم کر رکھا ہے، دوسری طرف بڑھی ہوئی غربت نے لوگوں میں عام بے چینی پیدا کر رکھی ہے ان غریبوں کو ملک کی آزادی اور عوامی حکومت کا احساس بھی نہیں۔

ایسی صورت میں ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جس پر تمام سیاسی رہنماؤں اور ملک کے سچے خیر خواہوں کو پوری توجہ کرنی چاہیے تھی اور اس کو اپنی مصروفیتوں میں پہلی جگہ دینی چاہیے تھی، اس ملک کی اخلاقی اصلاح، سماجی سدھار اور ذمہ داری کا احساس تھا، درحقیقت ملک کی موجودہ صورت حال میں اس مسئلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے یا تیسرے درجہ کے مسئلہ کو اپنا موضوع بنا لینا اور کسی فرضی سبب کو اس ملک کی موجودہ بدحالی کا حقیقی سبب قرار دے لینا ایک ایسا اخلاقی جرم ہے جس کو اس ملک کا ہوشمند مورخ معاف نہیں کرے گا، جس ملک میں انسانی زندگی کی ابتدائی باتوں کی تبلیغ کی ضرورت ہو، جس ملک میں شہری زندگی کا احساس اور آدمیت کے احترام کی تلقین کی ضرورت ہو، جس ملک میں عام انسانی اخلاق کی کمی ہو، جہاں لوگ بڑھی ہوئی رشوت، پھیلی

ہوئی چور بازاری اور حد سے بڑھی ہوئی نفع خوری کی وجہ سے اپنی جان سے عاجز ہوں، جہاں اخلاقی اور قانونی جرائم میں ترقی ہو، وہاں ان تمام چونکا دینے والے واقعات سے آنکھ بند کرکے صرف "ایک کلچر ایک زبان" کی بے معنی رٹ لگائے جانا، اور اس کو ہر مرض کی دوا سمجھنا اور اس پر زبان اور پریس کی تمام طاقتوں کا صرف کردینا اس ملک کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے؟!

اس وقت ہندوستانی سماج سخت خطرہ میں ہے اس کو وہ تیزاب لگ گیا ہے جو اندر اندر سے اس کو کھوکھلا کرکے رکھ دے گا، اسی کے ساتھ سمجھ لیجئے کہ جمہوریت بھی خطرہ میں ہے، جب سوسائٹی اخلاقی طور پر دیوالیہ اور معنوی حیثیت سے کھوکھلی ہو جائے تو اس کو نہ حکومت بچا سکتی ہے نہ جمہوری نظام، نہ ایک زبان اور ایک کلچر، رومن امپائر کا جس وقت خاتمہ ہوا ہے اس وقت تمام رومی قلمرو میں ایک زبان اور ایک کلچر تھا، ایران اور خلافت عباسیہ، اور خوارزم شاہی حکومت کے زمانہ میں بھی یہی حال تھا، لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی اس کی حفاظت نہ کرسکی۔

دستور ساز اسمبلی کے صدر مسٹر ماولنکر نے اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے سورت کے ایک جلسۂ عام میں یہ کہا کہ ہم کو سیرت کی

تشکیل کرنی چاہیئے اور ہمارے افعال کو سچائی پر مبنی ہونا چاہیئے اگر ہم اس نکتہ کو بھول گئے تو ہندوستان کی موجودہ سوسائٹی دیر یا سویر ختم ہو جائے گی اور ہم بھی اس کے ساتھ تباہ ہو جائیں گے، ہمیں صداقت کو ہر چیز کی بنیاد بنانا چاہیئے"
اور حکومت ہند کے مشیر تعلیم ڈاکٹر تاراچند نے بھی آگرہ یونیورسٹی کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد میں اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ "جمہوریت اسی وقت پنپ سکتی ہے جب سماج کا ہر شخص اچھے صفات کا مالک ہو"

ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۶ دسمبر ۴۸ء کو جے پور میں سبجکٹ کمیٹی کے اجلاس میں اپنی نظری صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ اسی خطرہ کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ "یہ نہایت قابل افسوس بات ہے کہ بہت سے لوگ بنیادی اور حقیقی مسائل کو چھوڑ کر معمولی باتوں میں الجھ گئے ہیں جن کا کوئی خاص اثر ہمارے ملک کی زندگی پر نہیں پڑتا.....
مجھے کسی بیرونی دشمن کا بالکل خطرہ نہیں مجھے خطرہ اس عنصر سے ہے جو اپنی تنگ نظری سے ملک کی کمزوری کا باعث ہو رہا ہے ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کو

تنزّل کی سب سے بڑی وجہ تنگ نظری تھی !!

ہندوستان کی اس عظیم الشان سوسائٹی کی حفاظت اُس کی نئی حکومت کے بقا اور آزادی کی قربانیوں نیز ملک کے ساتھ سچی خیر خواہی اور محبت کا تقاضہ ہے کہ ہم یہاں کی اخلاقی اصلاح اور سماجی سدھار کے مسئلہ پر بالکل غیر جانب دار ہو کر تمام قومی اور مذہبی تعصبات سے آزاد ہو کر ایک حقیقت پسند آدمی کے طرح غور کریں، اتنی بڑی سوسائٹی اور اتنی بڑی سلطنت جس پر اس وقت دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں جو ایشیا کی قیادت کی حقدار ہے جو قوموں کے توازن میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، بہت سے ملکوں کا پیٹ بھر کر اپنا پیٹ بھر سکتی ہے جو آدمیوں، قابلیتوں اور جواہرات کا خزانہ ہے، وہ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں، ادنیٰ درجہ کے تعصبات سے تباہ ہو گئی تو اس سے بڑھ کر دنیا کے لئے حادثہ کیا ہو گا۔

موجودہ اخلاقی کمزوریاں اور سماجی خرابیاں اس وقت تک دور نہیں ہو سکتیں جب تک کہ قوم میں اندرونی تبدیلی نہ پیدا ہو جب تک اندرونی تبدیلی نہ پیدا ہو گی زندگی اور اخلاق اور ملک کے عام حالات میں کوئی سدھار نہیں ہو گا اور اس وقت تک

لوگوں کو ان مصیبتوں سے نجات نہیں مل سکتی جو بداخلاقیوں اور سماجی کمزوریوں کی پیداوار ہیں۔ محض قانون ضوابط، پولیس، عدالتوں، نئے نئے کمیشنوں اور اصلاحی کمیٹیوں سے ان خرابیوں کا سدباب نہیں ہو سکتا، اور ایک بھی ایسے انسان کو بے آئینی اور بددیانتی سے نہیں روکا جا سکتا جس میں بے اصولی اور بے ایمانی کا قلبی رجحان پیدا ہو چکا ہے اور جو سرکاری قوانین اور انسانوں سے کسی مخفی اور بالاتر طاقت پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ اعلیٰ تعلیم جو عقیدہ اور اخلاقی ضمیر سے خالی ہے اس بارہ میں ویسے ہی بے اثر اور غیر متعلق ہے جیسے دوسرے پیشے اور صنعتیں، یہ تمام افراد جو رشوت ستانی، چور بازاری، نفع خوری، بے اصولی، ناجائز پاس داری اور فریب کے مرتکب ہوتے ہیں تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

یورپ میں چونکہ زندگی کی بہتر تنظیم اور شہریت کا احساس زیادہ ہے اس لئے یورپین سوسائٹی کے افراد گھٹیا قسم کی بداخلاقیوں سے احتیاط کرتے ہیں اور صرف اعلیٰ قسم کی بداخلاقیاں اور بلند معیار کی بے اصولیاں جائز سمجھتے ہیں، وہ افراد کے بجائے قوموں اور ملکوں کے معاملہ میں ناانصافیاں

کرتے ہیں، انتخاب جیتنے کے لئے بڑی بڑی پارٹیوں اور قوموں کو اخلاقی رشوتیں دیتے ہیں، قوموں کو لڑا کر اور ملکوں کو تباہ کر کے اپنی تجارت کو فروغ دیتے ہیں، اگر موقع ہوتا ہے تو ایٹم بم کے استعمال کرنے اور ہرے بھرے شہروں کو خاک سیاہ کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتے، ان کو اشخاص کے معاملہ میں دناسی و عہد خلافی سے تکلیف ہوتی ہے مگر قوموں اور ملکوں کے معاملہ میں بڑی سے بڑی عہد شکنی میں تکلف نہیں ہوتا، اگر دل سے خالی اور ضمیر سے عاری نظام تعلیم کسی قوم اور ملک کی اخلاقی سطح کو اونچا کر سکتا تو اس وقت یورپ اور امریکہ شخصی اور اجتماعی اخلاق میں دنیا کے لئے نمونہ ہوتے۔

اندرونی تبدیلی کے لئے دنیا کی پوری تاریخ میں "ایمان" سے بڑھ کر کسی طاقت اور تربیت کا تجربہ نہیں ہوا ہے، جب تک عوام میں خدا کا یقین اور اس کا خوف اور خدائی پوچھ گچھ کا کھٹکا پیدا نہ ہوگا، اخلاق اور آدمیت کا سرا ہاتھ نہیں آئے گا: اس یقین اور تربیت نے ذہنی اور اخلاقی تبدیلی اور زندگی کے انقلاب کے ایسے حیرت انگیز نمونے پیش کئے جن کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، یہی وہ طاقت تھی جس نے چھٹی صدی

میں ہی میں عربوں جیسی کٹر اور ضدی قوم کی دیکھتے دیکھتے کایا پلٹ کر دی، صدیوں کی بری عادتیں چھڑا دیں، حیوانیت کی اس نیچی سطح سے جس پر وہ اپنے ہاتھوں اپنی معصوم بچیوں کو مٹی میں توپ دیا کرتے تھے، انسانیت اور شرافت کی اس اونچی سطح پر پہونچا دیا کہ یتیم بچیوں کو پالنے کے لئے ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے، یہی وہ اخلاقی احساس تھا کہ گنہگار عورت پیغمبر کی عدالت میں آکر خود اپنے گناہ کا اقرار کرتی ہے پھر جب اس کو کسی ضمانت مچلکہ کے بغیر واپس کر دیا جاتا ہے تو بچہ کو گود میں لے کر آتی ہے اور سزا کی اس طرح خواہش کرتی ہے جیسے کوئی رہائی کی، پھر اس کو واپس کر دیا جاتا ہے کہ بچہ دودھ چھوڑ دے اور روٹی کھانے لگے دل کی پھانس پھر اس کو عدالت میں لاکر کھڑا کر دیتی ہے اور اس سے کہلواتی ہے کہ یا رسول اللہ مجھے سزا دے کر گناہ سے پاک کر دیجئے کہ میں خدا کے عذاب کی ہمت نہیں رکھتی، یہی وہ طاقت تھی کہ ایران کی جنگ میں غریب مسلمان سپاہی لاکھوں روپیہ کی مالیت کا ہیرے جواہرات کا جڑاؤ سامان کرتے کے دامن میں چھپا کر لاتا ہے اور افسر کے حوالے کر دیتا ہے کہ یہ اللہ کا مال ہے اس سے اس کا نام پوچھا جاتا ہے تو اپنا نام نہیں بتاتا کہ مجھے شکریہ ادا

تعریف کی ضرورت نہیں۔ اُس کی خوشی کے لئے میں نے یہ کیا ہے وہ میرا انام جانتا ہے، یہی وہ طاقت تھی کہ مدینہ کے مسلمان شراب کا پیالہ ہونٹ سے لگائے ہوئے ہیں کہ کان میں آواز آتی ہے کہ "شراب حرام ہوگئی" پیالہ فوراً منھ سے ہٹ جاتا ہے، منھ کی شراب اُگل دی جاتی ہے، مٹکے اور برتن پھوڑ دیے جاتے ہیں اور مدینہ کی نالیوں میں شراب بہتی نظر آتی ہے۔

اس کے مقابلہ میں امریکہ جیسا منظم و ترقی یافتہ ملک کئی کروڑ ڈالر صرف کرکے اور کئی ارب صفحے کا لٹریچر شائع کرکے بھی امریکن سوسائٹی کو شراب چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکا، بلکہ اس نے اسکی جس قدر تبلیغ کی لوگوں میں شراب نوشی کا جنون اور بڑھا، یہاں تک کہ اس کو یہ قانون منسوخ کرنا پڑا، ہمارا ملک بھی اپنے پورے وسائل اور اثرات کو کام میں لانے کے بعد بھی رشوت ستانی اور چور بازاری کے خلاف اپنی مہم میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا ہے، اب وقت آگیا ہے کہ ہم ایک ناکام طریقہ کا مزید تجربہ کرنے اور سوسائٹی کو زیادہ بگڑنے کا موقع دینے کے بجائے کامیاب راستہ کو اختیار کریں اور مذہب کی اس طاقت سے کام لینے میں شرم محسوس نہ کریں، ہمارے سیاسی رہنما اور جن کے

ہاتھ میں اس وقت ملک کی باگ ڈور ہے اس کو ملک کی تعمیر کا
سنگ بنیاد سمجھیں اور اپنے تمام وسائل اور اثرات کو اس
تبلیغ اور تعلیم میں صرف کریں جو لوگوں میں خدا کا یقین اور خوف
اور اس کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ ہونے کا خیال پیدا
کرے، اس ملک کی تعمیر و ترقی اور اس کی سوسائٹی کی حفاظت
اور نیک نامی کے لئے یہ کام فنون لطیفہ کی سرپرستی، کسی قدیم زبان
و ادب یا ہندوستانی فن رقاصی یا علم موسیقی کے زندہ کرنے،
نئے نئے شعبوں کے افتتاح اور مغربی ممالک کے قدم بقدم
چلنے کی کوشش سے ہزار درجہ زیادہ اہم ہے، غیر ملکی حکومت
اور سیاسی مسائل کی وجہ سے ہمارا پریس اور قومی کارکن اخلاقی اور
سماجی مسائل کی طرف توجہ نہیں کر سکے اس لئے ہماری زندگی میں
بہت سے جھول رہ گئے، لیکن اب جب کہ ہم پر ہندوستانی سوسائٹی
کی تعمیر اور ملک کی حفاظت کا بوجھ پڑا ہے اور اس راستہ میں کوئی
سیاسی رکاوٹ نہیں ہے، ہمارے پریس، ادب، ریڈیو اور
قومی کارکنوں کو اس کی طرف پوری توجہ کرنی چاہیئے، اور ہر
پروگرام سے زیادہ اس کو اہمیت دینی چاہیئے، اگر ہم نے
ملک کی مادی ترقی و تنظیم کے ساتھ سوسائٹی کی اخلاقی د

و روحانی ترقی و تعمیر کا کام ملا دیا اور اس کو نئی زندگی کی بنیاد بنایا تو یہ دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا شاندار تجربہ ہوگا کہ نہ صرف ایشیا کے آزاد ممالک بلکہ یورپ و امریکہ بھی اس کی تقلید کریں گے، اگر ہم نے یورپ و امریکہ کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی نقالی کرنے پر اکتفا کی تو ہماری حیثیت ایک کند ذہن شاگرد سے زیادہ نہیں ہوگی جو اپنے دماغ سے سوچنے اور اپنا راستہ نکالنے سے معذور ہے، اور یہ ہمارے عظیم الشان ملک کے لئے کوئی قابل فخر حیثیت نہیں ہوگی۔
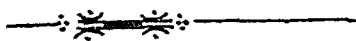
باہتمام سید توسل حسین
یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ میں چھپی

سیرت سید احمد شہید
حصہ
از
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
ناشر
مکتبہ اسلام لکھنؤ